ہماری صحافت*: ایک نظر

م۔ر۔عابد

جذبوں اور خواہشوں کا زندہ ذہین مجموعہ بولنے کو پیدائشی بے چین نہ ہوگا تو اور کون ہوگا؟ پھر کہیں اسے بولنے کے ساتھ ساتھ 'کہنا' بھی آجائے تو وہ زبان روکے اور ہونٹ سئے کیوں رہنے لگا۔ اس کی زبان صرف چسکے چسکے چٹخارے لینے کے لئے نہیں ہوتی بلکہ زبان کھل بھی سکتی ہے۔ کھل سکتی ہے تو گل کھلا بھی سکتی ہے، گلستان بنا بھی سکتی ہے، جہاں میں آگ بھی لگا سکتی ہے، زہر بھی گھول سکتی ہے۔ مختصر یہ کہ زبان کا کیا کہنا! اس کے کہنے کا کیا کہنا۔ اب تو جگ ظاہر ہے، زبان کی ایسی چلتی ہے کہ بس اسی کی ہی چلتی ہے۔ یہی زبان سنسار پر راج کرتی ہے، بلکہ راج بانٹتی بھی ہے۔ چاہے کہیں شاہی ہو، تانا شاہی ہو، جمہوریت ہو، صدارتی طرز حکومت، ہر جگہ 'زبان راج' ہی ہوتا ہے، زبان کی ڈکٹیٹری چلتی ہے۔

جب انسان کی ایک زبان کی بات ایسی ہوتی ہے جس کی ان کہی کرنے کی کسی میں جرأت نہیں ہو پاتی تو سوچئے قلم کی کیا بات ہوگی۔ لکھنے کے کیا کہنے!! زبان کی جتنی بھی چلتی ہے، اسی قلم کے بل بوتے چلتی ہے، ورنہ قاعدے سے 'زبانی' کی کیا پوچھ؟ جہاں زبان کی نہ چلے، قلم کی چلتی ہے جو زمان و مکان کی سرحدوں کو پار کر جاتی ہے۔ جہاں زبان کی پہنچ سمٹ کر رہ جائے وہاں سے قلم کے قلمرو کی ابتداء ہوتی ہے۔ اس کی انتہا کہاں ہو، کہا نہیں جا سکتا۔ یہ انسان کی تعلیم کا ربانی وسیلہ جو ٹھہرا

علم بالقلم، وہ بھی مالم یعلم والے اتھاہ علم کا ذریعۂ تعلیم۔

ایسا لگتا ہے انسان اپنے تمدن کے ابتدائی مرحلہ سے ہی قلم سنبھالنے لگا، قلم سے بات کرنے لگا، قلم کو اپنے بول دینے لگا۔ یہ سب ماقبل تاریخ کی بات ہے اس لئے یقینی طور سے کچھ کہنا ناممکن ہے۔ امید ہے قلم نے سنبھلتے ہی 'خط' ڈھونڈ نکالا ہوگا۔ (ہوسکتا ہے قلم کو ڈھونڈ نکالنے میں خط کا ہاتھ ہو۔) قلم کے آگے بڑھتے ہوئے قدموں نے خط کے ایک خاص انداز گشتی یا Circular کی جان پہچان کرائی ہوگی۔ آگے عام خطاب والے خط (جس میں کوئی عام پیغام یا عام دلچسپی کی اطلاع ہو) اعلانیہ اور فرمان کی منزل آتی ہے۔ تمدن کی پیش رفت کے ساتھ ساتھ فنی ارتقا اور تکنیکی ترقیوں سے ذرائع ابلاغ کو بھی وسعت ملی۔ وہیں قلم کے نئے نئے کارآمد روپ جلوہ گر ہوئے۔ اسی میں عام پیغام، اعلانیہ اور گشتی خط کی قدرے ترقی یافتہ اور سماجی شکل صحافت کے نام سے ابھری۔

سائنسی اور تکنیکی ترقی اور اس کے ذیل میں ابلاغ و ترسیل کے انداز اور ذرائع ابلاغ کی مسلسل ارتقا، سماجی تمدنی پیش رفت اور بدلتے ہوئے عالمی منظرنامے سے صحافت کی 'نشوونما' ہوتی رہی۔ آج کے اطلاعاتی تکنیک (IT-Information Technology) کے دور نے الیکٹرانک میڈیا، کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کے سبب صحافت کو نئے جہات سے روشناس کرایا۔

صحافتی جریدوں (پرچوں) کو مدت اشاعت کی بنیاد پر مندرجہ ذیل قسموں میں بانٹا جا سکتا ہے: (۱) روزنامہ (۲) ہفتہ وار (۳) نصف ماہی (Fortnightly) (۴) ماہنامہ (۵) دو ماہی (۶) سہ ماہی (۷) سالنامہ

* یہاں ہماری صحافت سے مراد عالمی صحافت، مسلم صحافت، ہندوستانی صحافت، اردو صحافت اور شیعہ صحافت بھی ہے۔

کچھ اخبار ہفتہ میں دو بار بھی نکلتے ہیں، اسی طرح کچھ رسالے مخصوص مدتی بھی ہوتے ہیں۔ لیکن وہ اتنے عام نہیں ہیں، اس لئے انہیں تقسیم بالا میں جگہ نہیں دی گئی۔ [اگرفن کے ارباب حل وعقد ماہنامہ یا زیادہ مدت اشاعت والے جریدوں کو'صحافتی' نہ تسلیم کریں تو مجھے کوئی اصرار بھی نہ ہوگا۔]

عام تاثر کے لحاظ سے ان جریدوں کی پذیرائی اور عوامی وقعت مدت اشاعت کے متناسب ہوتی ہیں۔ روزنامہ عموماً دوسرے دن رڈی کی دکان چلا جاتا ہے، ہفتہ وار اور نصف ماہی چندروزہ مطالعہ کے لئے ہوتے ہیں۔ ماہنامہ کچھ زیادہ دن تک اورقدرے سنجیدگی کے ساتھ مطالعہ سے مخصوص سمجھے جاتے ہیں۔ دوماہی اور سہ ماہی عموماً علمی تحقیقی ہوتے ہیں، اس لئے اسی انداز کے مطالعہ میں آتے ہیں اور اکثر انفرادی طور پر بھی محفوظ رکھے جاتے ہیں۔ یہ سب عمومی تاثر کی بات ہے۔ کہیں کہیں کبھی کبھی یہ بات نہیں ہوتی۔ آج اردو اخبار بھی خبرنویسی، اخباری تبصرہ نگاری کے علاوہ بہت کچھ علمی مواد پیش کرتے ہیں، اس لئے کم ازکم علم نواز حلقہ میں ان کی قدر دوسرے دن ردی میں ڈالنے والی نہیں ہوتی۔ لیکن ان حاشیہ آرائیوں سے زیادہ سے زیادہ اخبار کی فکری زیبائش بڑھ جاتی ہے مگر یہ انہیں ردی کی دوکان جانے میں مانع نہیں ہوتی۔ وہیں لائبریریوں کے ماسوا کچھ باذوق قاری نجی طور پر اخباروں کی پوری کی پوری فائل محفوظ کرلے جاتے ہیں کہ آج ایسے اخباروں کی بھی فائلیں ہمیں مل جاتی ہیں جو اخبار خود کب کے عدم کو سدھار چکے ہوتے ہیں۔

موضوع کے اعتبار سے جریدوں کو اس طرح تقسیم کیا جاسکتا ہے:

(۱) اخباری (عموماً روزنامہ اور ہفتہ وار ہوتے ہیں لیکن خبرنامہ Newsletter کی شکل میں نصف ماہی بھی ہوسکتے ہیں۔) (۲) تبصراتی (Views & paper) جو خبروں پر تبصرہ اور تفتیشی خبروں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ (۳) ادبی (۴) خاص دلچسپی کے جیسے فلمی یا کھیل سے متعلق (۵) علمی واختصاصی وتحقیقی (۶) سرکاری (گزٹ) جن میں خبروں سے زیادہ سرکاری اطلاعتی اور فرمانی عنصر غالب ہوتا ہے۔ (ان میں، کوئی اور قسم یا قسمیں بھی داخل ہوسکتی ہیں جو راقم الحروف کی جلد بازی یا لاعلمی کے سبب ذکر نہ ہوسکیں۔)

ذرائع ابلاغ کے لحاظ سے صحافت کی درجہ بندی یوں کی جاسکتی ہے:

(۱) طباعتی (۲) برقیوی (الیکٹرانک) (۳) انٹرنیٹ جس میں رسالوں، اخباروں کے انٹرنیٹ شماروں کے علاوہ بلاگ اور ٹویٹر جیسے سماجی 'مقامات' شامل کئے جاسکتے ہیں۔

اسی طرح انداز اشاعت اور موضوع ومواد کی تخصیص کے اعتبار سے رسالوں کے شماروں کو (۱) عام اور (۲) خاص کہا جاتا ہے۔

یہ توصحافت کی قسموں کی بات تھی۔ اب کچھ مجموعی طور سے صحافت کی بات ہوجائے۔ اپنے مضمون واعتبار اور معیار ومقدار کے لحاظ سے صحافت نے بھی ایک حد تک ترقی کی ہے۔ ذرائع ابلاغ کی پیش رفت اور دنیا کے عالمی گاؤں (Global Village) کی صورت ابھرنے اور (کم ازکم دعوے کی حد تک) آزاد صحافت کے پیش نظر یہ کوئی انہونی نہیں ہے بلکہ یہ ترقی ہر معنی میں ہر جہت سے موجودہ سطح اور معیار سے کہیں زیادہ ہوسکتی تھی، اگر صحافت اپنی فطری رو میں بہتی۔ لیکن لگتا ہے کہ عالمی صحافت کو سمت دینے والی کوئی باہری 'غیبی' قوت ہے۔ ضرورت بھی ہے، دنیا کی عام خواہش اور مانگ بھی ہے کہ عالمی صحافت کو حق بطرف، انصاف پسند اور حقیقت میں انسانیت نواز ہونا چاہئے۔ لیکن عالمی صحافت ہے کہ سچے صحافی تقاضوں سے کٹی کٹی سی معلوم ہوتی ہے جس کے بین السطور میں کسی عالمی انسانی انداز کی جھلک نہیں دکھائی پڑتی۔ اس کے پیچھے یک قطبی عالمی سیاست ہے، یا معاشی قطبی قوتوں کی دھونس کارفرما ہے یا کچھ اور، پتہ نہیں، نہ صحیح پتہ چلتا معلوم ہوتا ہے۔ ویسے یہ نقش بردیوار (Writing on the Wall) ہے جو دیکھنے کو ہے، بتانے کو نہیں۔ خود مقامی قسم کی

صحافتوں کا وجود اس بات کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔ (یہاں 'مقامی' کا لفظ شہر یا بستی کے اعتبار سے یا لسانی چھُٹ بھیّوں کے لحاظ سے نہیں بلکہ عالمی صحافت کی بہ نسبت نچلی سطح اور کم تر 'دائرۂ اثر' کی صحافت کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔) یہ عالمی صحافت میں اپنی متعلقہ حیثیتوں کے عدم تحفظ کا احساس ہی ہے جس نے ان مقامی صحافتوں کو جنم دیا ہے۔ 'عالمی زبان' کے علاوہ دوسری زبانوں کی صحافت کا وجود تو سمجھ میں آتا ہے لیکن 'مسلم صحافت'، 'ہندوستانوی صحافت' یا 'افریقی صحافت' جیسی مقامی صحافتوں کا محسوس وجود سمجھ میں نہیں آتا۔ ان کے وجود کے معنی ہیں کہ عالمی صحافت کو چاہے جتنا اطمینان بخش کہہ لیا جائے، زمینی سطح (Ground Level) پر وہ اپنا خاطر خواہ اعتبار بٹھانے میں ناکام ہی رہی ہے۔

'مسلم صحافت' اور 'ہندوستانوی صحافت' کے تعلق سے لگتا ہے کہ ان کے پیچھے 'ردعملی' (Reactionary) میلان یا خانہ بند (Introvert) رجحان یا قنوطی احتجاجی انداز کارفرما ہے۔ (اس کے دوسرے کچھ کم اہم سبب بھی ہو سکتے ہیں۔) ہندوستان کی آبادی یا دنیا کی مسلم آبادی (جو قریب قریب برابر ہے) عالمی سماج کا بڑا قابل ذکر حصہ بناتی ہے، پھر بھی عالمی صحافت میں 'مسلم' تقریباً ندارد ہے اور یہی حال 'ہندوستانی' کا ہے۔ [ویسے ہمیں یہ احساس ہے کہ عالمی صحافت ایسی نہیں ہوتی کہ اس میں انسان کے علاوہ 'مسلم' یا 'ہندوستانی' قسم کی مشکلیں ابھریں۔ لیکن یہ بات اس وقت ہوتی جب عالمی صحافت اپنی سمت میں چلتی اور کسی بھی طرح کی منفی شکلیں نہ ابھرتیں۔] عالمی صحافت میں 'مسلم' یا 'ہندوستانی' کی حیثیت 'اچھوت' سے زیادہ نہیں دکھائی دیتی ہے۔ جہاں مسلم کی عام شبیہ 'دہشت گرد' یا پھر دنیا سے کٹے ہوئے اور ٹوپی پہنائے ہوئے 'عالم بیزار' نکھٹو سے زیادہ نہیں، وہیں 'ہندوستانی' کا روپ بھی پچھڑا، بھکاری، اور ایک حد تک 'دہشت گردی' کو پناہ دینے والے سے الگ ہٹ کے نہیں ابھرتا۔ ایسے میں 'مسلم صحافت' یا 'ہندوستانوی صحافت' کا اپنی موجودہ شکل میں 'نشوونما' کوئی غیر طبعی نہیں محسوس ہوتا۔ ظاہر ہے عالمی صحافت کے آگے 'مسلم صحافت' یا ایک حد تک 'ہندوستانوی صحافت' قریب قریب ہر جہت سے بڑی کم مایہ ہے۔ اپنے وسائل اور ماہر افرادی قوت (Man-Power) کی کمی اور اس سے پیدا نمایاں معیاری پستی کے احساس کے باوجود ان کا میدان میں آجانے کا مطلب ہے:

بدھو میاں بھی حضرت گاندھی کے ساتھ ہیں
گو مشت خاک ہیں مگر آندھی کے ساتھ ہیں

(یہاں ہندوستان کی آزادی سے قبل والے گاندھی جی کی بات ہے)

اگر اردو صحافت کی بات کی جائے تو اسے لسانی طور سے عالمی صحافت کے متوازی ہونا چاہئے، مواد و معیار کے لحاظ سے عالمی صحافت کا بھرپور آئینہ (برابر) ہونا چاہئے مگر اصلاً بات یہ نہیں ہے۔ یہاں اردو کو اپنے لسانی حسن اور جاذبیت کو عالمی سطح پر نقش کرنے کا اچھا موقع بھی تھا لیکن۔۔۔۔۔؟ اب اردو صحافت (دہلی اور پنجاب کے خطوں کو کچھ حد تک کو چھوڑ کر) پوری طرح 'مسلم صحافت' بن چکی ہے۔ یہ اردو کے لئے اور خود صحافت کے لئے بڑا ہی شراپ ہے۔ کچھ یہی وجہ ہے کہ اردو صحافت خود اردو کی بات سلیقہ سے نہ رکھ سکی۔

اردو صحافت ہو، مسلم صحافت ہو یا ہندوستانوی صحافت ہو اسے اپنے موجودہ منفی انداز کے بجائے 'سیدھے سامنے' آکر دنیا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر عالمی صحافت کے معیار و کردار میں ضم ہو کر اسے صحیح سمت دینے میں موثر رول ادا کرنا چاہئے۔ اردو، 'مسلم' اور 'ہندوستانی' حق و انصاف کا علم قاعدے سے اونچا کر سکتے ہیں۔ ان میں اس کی بنیادی اہلیت و مہارت بھی ہے اور یہ ان کا فطری حق بھی ہے۔ ہندوستان کا علم سے تعلق اور 'مسلم' کا علم و قلم سے رشتہ بڑا پرانا اور لازمی ہے، اردو بھی ایک باصلاحیت، وسعت پذیر اور روبہ ترقی علمی زبان کے طور سے اپنا نقش جما چکی ہے۔ (عرصہ ہوا) مقامی صحافت کے قسم میں شیعہ صحافت کا نام بھی لیا جا سکتا

ہے (اگر اسے صحافت کا درجہ دیا جاسکے)۔ یہاں صرف ہندوستانی شیعہ صحافت کے حوالہ سے ہی گفتگو ہے۔ جو بھی ہو اس شیعہ صحافت میں 'سماج' سے زیادہ 'مذہب' چھایا ہوا ہے۔ کہیں کہیں تو 'سماج' سرے سے ہی غائب دکھائی دیتا ہے۔ اس کا جو بھی سبب ہو، شیعہ دانشوری اور شیعہ قیادت پر علماء کا غلبہ و اثر یا 'شیعہ' کا مذہبی جوش، بہر حال شیعہ صحافت 'مذہبی' ہو کر رہ گئی ہے۔ غالباً آقائے خمینیؒ کے ایرانی انقلاب نے اس روش کی سیاسی حوصلہ افزائی اور سماجی استحکام کے پیچھے بڑا کارگر رول ادا کیا ہے۔ (میرے ناقص خیال میں مذہب، صحافت کا موضوع نہیں بن سکتا۔ یعنی شیعہ صحافت بے معنی سی ہو کر رہ جاتی ہے۔ اسے 'شیعہ صحافت' کے بجائے 'شیعہ رسالہ نگاری' کہا جائے تو کوئی حرج نہیں۔)

ان شیعہ رسالوں میں سماجی (صحافتی) چھینٹے بس وفیات یا اور بھی کم تر سطح پر مجلس، محفل، جلسہ و جلوس کی خبروں کی 'مردہ سی' رپورٹنگ تک محدود ہوتے ہیں۔ [شیعہ صحافت یا شیعہ رسالوں کی 'سماج' سے یہ بے رخی یہیں تک محدود نہیں ہے بلکہ شیعہ دینیات کی ابتدائی کتابوں/ پرائمروں میں بھی یہی انداز ملتا ہے۔ کچھ یہی سبب ہے کہ عبادت کا عوامی تاثر روزہ نماز میں محدود ہو کر رہ گیا ہے۔]

آخر میں آج کی تازہ خبر: ایک نئے ہفتہ وار رسالہ 'واعظ' کی آمد آمد۔۔۔۔۔۔۔۔۔ خوش آمدید! اس بارے میں نور ہدایت فاؤنڈیشن، لکھنؤ (پوری) 'امید' سے ہے۔ امید ہے یہ واعظ کم سے کم اردو شعرا والے واعظ کی شبیہ سے مختلف ہوگا۔

اس کے ماقبل اشاعت اشتہار سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس کے بانیوں کے خیال میں اسے دستاویزی انداز میں 'شیعہ انسائیکلو پیڈیا' کا روپ دینا ہے۔ ایک ہفتہ وار رسالہ میں (قسط وار) انسائیکلو پیڈیا کی شکل ابھارنا بڑا جرأت مندانہ انقلابی عمل ہے۔ اس ادارتی عمل کو عوام کی نظر کیا پذیرائی اور وقعت دیتی ہے اس کے بارے میں کچھ کہنا قبل از وقت ہے۔ دعا تو بہر صورت کی جاسکتی ہے۔ پھر مذکورہ رسالہ غالباً اسی دستاویزی شکل میں محدود نہ رہے گا بلکہ اس کا سماجی زاویہ بھی ہوگا جیسا کہ رسالہ کے نامزد مدیر محترم نے اپنی ایک گفتگو میں اظہار کیا کہ رسالہ میں منفی سماجی رخ ناپید ہوگا یعنی شیعوں کے آپسی اختلاف جو ان کا مقدر بن چکے ہیں انہیں درکنار کر دیا جائے گا، حزب اختلاف کو ساتھ لیا جائے گا، رسالہ کی حد تک اختلاف کو مار دیا جائے گا۔ ظاہر ہے یہ بڑا نیک خیال ہے۔ صحافت اختلاف کو ہوا دینے کے لئے نہیں، بلکہ اسے ہوا کرنے کے لئے ہوتی ہے۔

مجھے ذاتی طور سے سب سے زیادہ خوشی اسی کی ہوگی کہ 'واعظ' اپنے اتحادی 'اوتار' میں پورے شیعہ سماج کو ساتھ لے کر چلے اور اپنی ارتقائی منزلیں یوں طے کرے کہ آخر آخر اس سے 'شیعہ' لیبل بھی چھوٹ جائے اور سچا عالمی/ انسانی انداز ابھر آئے۔

'واعظ' کے خیر مقدم کو ہمہ تن انتظار ہو کر امید کرتا ہوں کہ 'واعظ' بہر حال ہمارے شعراء کا 'مطعون واعظ' نہ ہوگا۔ چلتے چلتے یہ دعا بھی ہے اللہ کرے زور قلم (اور بھرم) اور زیادہ

۞۞۞